داعیٔ اسلامی انقلاب

محدثِ کبیر عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

مولانا اشرف علی قریشی، مدیر ماہنامہ "صدائے اسلام" پشاور

چھپا بیٹھا ہے نہاں خانۂ دل میں

انسان کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کے معرضِ وجود میں آنے کے مقاصد کیا ہیں؟ عارضی حیاتِ مستعار میں اسے کیا کرنا چاہیئے؟ کن اعمال سے انسان کی زندگی بامقصد ہوسکتی ہے؟ اور اس فانی اور عارضی زندگی میں انسان کس طرح کامیاب اور بامقصد زندگی بسر کرسکتا ہے؟ انسان کی زندگی کے دو رُخ ہیں اور اس کی تقسیم اس طرح کی جاسکتی ہے۔

۱۔ مثبت اور ۲۔ منفی۔ نفس و ہوس کا پرستار مؤخر الذکر سمت چل کر اپنے اعمال نامے کو سیاہ کرکے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور فرامین سے بغاوت کا راستہ اختیار کرتا ہے جبکہ اول الذکر انسان مثبت سمت چل کر بر و تقویٰ کا راستہ اپنا کر حضرت اللہ جل جلالہٗ کی فرمانبرداری اور اطاعت میں سفر اختیار کرکے دنیوی زندگی اور اخروی منزل کو اپنے لیے آسان وسہل بنالیتا ہے۔ ایسا انسان محبوبِ خدا اور محبوبِ مخلوق ہو کر دنیا سے انتقال کر جاتا ہے جسے انسانیت رہتی دنیا تک یاد رکھتی ہے اور ایسے انسانوں کے نام انسانوں کے قلوب میں رچ بس جاتے ہیں اور وہ تاریخ کا ایک حصہ بن کر لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے ادب و احترام کا مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد کے لیے لوگ ہر وقت سلامتی و برکت کی دعا کرتے ہیں۔ اپنی عبادت میں جہاں بہت سی مناجات اپنے رب سے کرتے ہیں وہاں ایسے صالح افراد کے لیے "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" اے اللہ! سلامتی فرما صالحین پر" یہ بڑا اعزاز ہے نیکوکار انسانوں کا کہ ان کی وفات اور دنیا سے انتقال کرنے کے بعد بھی انسان سلامتی وخیر کے ساتھ انہیں یاد کرتے ہیں اور ہر نماز میں اپنے ان اعلیٰ صفات انسانوں کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا رُخ مثبت جانب کرکے بر و تقویٰ کی جانب سفر اختیار کر رکھا تھا۔

انسان کا ہر قدم خیر کے لیے اٹھنا چاہیئے کیونکہ جو بھی طالبِ خیر ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے دامن کو خیر کے پھولوں سے بھر دے گا ایک انسان ہوتا ہے جس کی نظر صرف اپنی ذات پر ہوتی ہے یا اپنی اولاد پر اس کے سوا دنیا میں اسے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ایسے انسان کو آپ "نفس وہوس" کا بندہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کی تگ و دو صرف اپنی ذات کے گرد گھومتی ہے۔ ایسا انسان جدھر بھی نظر کرتا ہے اسے اپنی جان یا اپنے اہل وعیال ہی نظر آتے ہیں۔ حلال وحرام کی تمیز ختم ہوجاتی ہے۔ جائز ہو یا ناجائز مگر وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنے

لیے مال و متاع کو حاصل کرکے پرتعیش اور ملذوذ زندگی بسر کرے۔

مگر انسانوں میں بعض ایسے مردانِ حق ہوتے ہیں جو کہ اس عارضی و فانی زندگی میں صرف اپنی ذات کے لیے نہیں سوچتے بلکہ ان کی سوچ پوری انسانیت کی فلاح و بہتری کے لیے ہوتی ہے۔ وہ صرف اپنی بہتری نہیں بلکہ پوری بنی نوع انسان کی بہتری چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف اپنی اولاد نہیں پوری انسانیت کی ذریت ہوتی ہے۔ ایسے انسانوں کی سوچ کا دائرہ کار صرف اپنی ذات کے گرد نہیں گھومتا بلکہ پوری انسانیت کے گرد گھومتا ہے۔ ایسے افراد کی سوچ سب انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی ہوتی ہے۔ "الدین النصیحه" دین خیر خواہی کے نام کے مصداق ہر ایک کے لیے خیر خواہی کا جذبہ۔

ایسے ہی عظیم انسانوں میں ہمارے طبقۂ علماء کے "شیخ و مرشد" شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بہت ہی صفات سے نوازا تھا لیکن فانی دنیا میں کس نے رہنا ہے؟ عقلاء اہل علم، دانشور اور فلاسفروں کے اقوال دیکھ لیجیے۔ ہر جگہ آپ کو کسی نہ کسی مسئلہ میں اختلاف نظر آئے گا۔ ایک دوسرے سے آراء کا اختلاف، ایک ڈاکٹر کی رائے دوسرے ڈاکٹر سے مختلف، ایک انجینئر کی رائے دوسرے انجینئر کے مخالف مگر ایک موت ہی ہے متفق علیہ جس پر سب کا اتفاق ہے۔ اس میں کسی کو کسی کے ساتھ اختلاف نہیں۔

اسی قانون قدرت کے مطابق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بروز بدھ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء کو دوپہر ۲ بج کر بیس منٹ پر خیبر ہسپتال پشاور میں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ نے اپنا قیام دارالعلوم سے علیحدہ اپنے ذاتی مکان میں رکھا اور زندگی کے آخری ایام تک اسی میں رہائش پذیر رہے۔ بہت سے متعلقین، احباب اور خیر خواہوں کے اصرار کے باوجود آپ نے اپنی رہائش نہیں تبدیل کی۔ بہت سے احباب نے مشورہ دیا کہ آپ کو آنے جانے کی تکلیف ہے۔ دارالعلوم میں یا دارالعلوم کے قریب مکان تعمیر کر دیا جائے تاکہ آنے جانے کی زحمت نہ ہو۔ آپ نے ایسی تمام تجاویز کو شکریہ کے ساتھ رد فرماتے ہوئے اپنے فقیر خانہ کو ترجیح دی۔

آپ باوجود پیرانہ سالی کے بھی دارالعلوم حقانیہ کی ترقی میں کوشاں رہے اور کوئی لمحہ یا دقیقہ آپ نے اس کی ترقی میں ضائع ہونے نہیں دیا۔ یہ صدقہ جاریہ آپ کے لیے رہتی دنیا تک ایک عظیم الشان صدقہ جاریہ ہے جس سے ہزاروں افراد فیض یاب ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ شیخ الحدیثؒ کی پوری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کے مانند ہے اور آپ کی زندگی کے ہر ایک پہلو پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے۔ آج کی فرصت میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے بارے میں اپنے مشاہدات بیان کرنا چاہتا ہوں جو کہ احقر کو ان سے انتہائی قربت کی وجہ سے حاصل رہے۔

احقر کی سب سے پہلی ملاقات شیخ الحدیث صاحبؒ کے ساتھ اس وقت ہوئی جبکہ احقر کی عمر ۱۳ یا ۱۴ برس کی ہوگی۔ اب تو چار دہائیوں کے آخری عدد میں عمر رفتہ پر کفِ افسوس کے ساتھ مرورِ زمانہ پر نوحہ کناں ہوں۔

ہوا یوں کہ دارالعلوم حقانیہ کی مجلسِ مشاورت کا اجلاس تھا جس میں والد ماجد حضرت مولانا عبدالودود قریشی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ بھی شرکت فرمایا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک میٹنگ میں مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوئی کہ والد صاحبؒ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ احقر کی عمر بڑی کم تھی مگر شیخ الحدیثؒ نے بہت پیار کیا اور انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آئے۔ اس مجلس میں دیگر بھی بڑے بڑے علماء کرام موجود تھے

مگر شیخ الحدیث صاحبؒ کے نورانی چہرے میں کچھ ایسی ایمانی چمک دمک تھی کہ آپؒ کے چہرے سے نظر اٹھانے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ سفید رنگت چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی مبارک چہرے سے نور کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ لباس بالکل سادہ اُوپر جبہ پہنے ہوئے تھے جو کہ کئی جگہ پھٹ جانے کی وجہ سے جگہ جگہ سے سِلا ہُوا تھا۔ اتنے متواضع کہ ہر ایک کے لیے اٹھنا، معانقہ، مصافحہ کرنا۔ مجلس کے اختتام پر حضرت والد صاحبؒ نے اجازت لی مگر احقر اتنا متاثر ہُوا کہ زمانہ دراز گذر جانے کے باوجود اب بھی وہ پورا نقشہ نظروں کے سامنے ہے اور اس کی حلاوت محسوس ہو رہی ہے۔

تقدیر کا لکھا کسے کیا معلوم ہوتا ہے، کل کیا ہوگا اور کیا ہونے والا ہے؟ اگر مسلمان ہے تو قضا و قدر کو بلا چون و چرا تسلیم کرنا پڑے گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ آپ سے میرا تعلق ایک بیٹے اور باپ کا ہو جائے گا۔ اپنے سلسلۂ روحانیت کے ایک جلیل القدر عالم اور مرشد کا عاشق آپ کی فرزندی کی سعادت مندی سے بہرہ ور ہو جائے گا۔ اب جبکہ اپنی گذشتہ ڈائریوں پر نظر دوڑاتا ہوں تو ۱۹۷۰ء ۴ اپریل، اتوار کا دن احقر کی شادی کی تاریخ ہے۔ اگر کوئی حساب کرنے والا حساب کرنے بیٹھ جائے تو آپ ۸۸ء کو الوداع کہنے والے ہیں اس حساب سے ۱۸ سال اور اگر اگلے حساب کو پورا کرنا چاہیں تو ربع صدی سے زیادہ سے احقر کا تعلق حضرت شیخ الحدیثؒ سے بنتا ہے۔ یہ سارا زمانہ ایک خواب کی طرح گذر گیا۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن کے زمانے والے نوٹس پر نظر دوڑاتا ہوں تو آپ کے ساتھ پورے علاقہ کا طوفانی دورے کی روداد سامنے آجاتی ہے۔ ان بابرکت ساعتوں میں احقر کو یہ سعادت میسر رہی کہ سفر و حضر دونوں میں آپ کے ساتھ سنگت رہی۔ آپ کے خطاب سے پہلے احقر کی تقریر ہوا کرتی تھی۔ آپ میری تقریر کو بہت پسند فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ہی تحسین کے کلمات سے میری حوصلہ افزائی بھی فرمایا کرتے تھے۔ ورنہ یہ جرأت کیسے ممکن تھی کہ علم کے پہاڑ، قرآن و سنت کے حافظ، معرفت الٰہیہ کی ایک بلند پایہ شخصیت کے سامنے لب کشائی کی جا سکے۔

آپؒ اتنے حساس اور شفیق انسان تھے کہ ایک مرتبہ احقر اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ایک جگہ جلسے کے پروگرام پر گیا مگر واپسی میں معمول سے ذرا تاخیر ہو گئی۔ محلے کی مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد ایک طالب علم سے پوچھتے رہے کیا وجہ ہے آج مولانا اشرف لیٹ ہو گئے ہیں۔ آپ کو کوئی اطلاع تو نہیں؟ تھوڑی دیر بعد احقر اکوڑہ خٹک پہنچا۔ ابھی اپنے جیپ سے اترا بھی نہیں تھا کہ مسجد میں مقیم طلبا دوڑتے ہوئے گئے اور کہنے لگے کہ خیر تو تھی کیوں دیر کر دی۔ حضرت شیخ الحدیث بڑے پریشان تھے۔ آپ نے کیوں دیر کر دی؟ جب مجھے یہ معلوم ہُوا تو جلد سے گھر پہنچا اور آپ کو اپنی تاخیر کا سبب بیان کیا۔ تب آپ مطمئن ہوئے اور آئندہ کے لیے وقت پر آنے کی تاکید فرمائی۔ انہی ایام میں ایک مرتبہ احقر اور برادرم مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہٗ ایک مرتبہ جلسے کو گئے تھے۔ واپسی میں تاخیر ہو گئی۔ واپسی پر معلوم ہُوا کہ آپ سخت پریشان تھے اور بار بار گھر والوں سے پوچھتے ابھی تک نہیں پہنچے۔

۱۹۷۰ء میں اکابر علمائے کرام میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمودؒ دیگر اہلِ علم اور علاقہ کے معززین نے آپ کو الیکشن کے لیے مجبور کیا۔ آپ نے بہت انکار کیا مگر دوسری جانب سب حضرات بضد تھے شیخ الحدیثؒ اس جذبے کے ساتھ آمادہ ہو گئے کہ نظامِ اسلام کے لیے جو کام باہر عوام میں کرتے ہیں اسی کام کو ایوان میں جا کر اذانِ حق کے طور پر کیا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب آپ منتخب ہو کر اسمبلی پہنچے تو پوری پارلیمنٹ

کے ممبران کا کام ایک طرف کرکے دوسری طرف آپ کی تحاریک پر نظر دوڑائی جائے تو آپ کا کام سب پر بھاری ہے۔ بعد کے دو الیکشنوں میں آپ سے جب اہلِ علاقہ نے اصرار کیا تو آپ اس شرط پر آمادہ ہوئے کہ الیکشن کے دوران میں اپنے علمی و تدریسی کام میں لگا رہوں گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ بعد کے الیکشنوں کے دوران بمشکل چند ہی مقامات پر حلقۂ انتخاب کے عوام کے بے حد اصرار پر دیدار کی حد تک ہی تشریف لے گئے۔ لوگوں کی خواہش ہوتی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی ایک جھلک اور دیدار ہو جائے۔

آپ اخلاقِ حسنہ اور تواضع کا مجسمہ تھے۔ جس انداز سے آپ ہر ایک کے ساتھ گرمجوشی اور محبت سے ملاقات کرتے اس کو وہ اپنے لیے بہت بڑی سعادت سمجھتا۔ ان اسفار کے دوران مجھ جیسے خدام کی روحانی تربیت اور ہماری اصلاح بھی فرماتے ۔ خلافِ حقیقت، مبالغہ آرائی، تصنع، خود نمائی، عجب، تکبر و غرور اور ان جیسے تمام امور سے مجتنب اور بچنے کی تاکید و تلقین فرماتے۔ آپ کے دو الیکشن بہت ہنگامہ خیز تھے۔ ۱۹۷۰ کے الیکشن میں آپ کے مقابل میں اکوڑہ خٹک ہی کے جناب اجمل خٹک صاحب تھے جو آج کل افغانستان میں جلاوطنی کی زندگی بسر فرما رہے ہیں، افغان گورنمنٹ کے خصوصی مہمان ہیں۔ آپ بے شک ایک قومی شخصیت تھے اور نیشنل پارٹی کے اکابرین کے صفِ اوّل کے راہنما تھے۔ آپ بہت سے خصوصیات کے باوصف بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کے مقابلہ میں میدان ہار گئے۔ آپ بلا ریب اس علاقہ کی قدآور شخصیات میں سے تھے مگر جب موازنہ کے دوسرے پلڑے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذاتِ گرامی ہو تو پھر فرق آسمان و زمین کا تھا کیونکہ جس حسن و خوبی سے اللہ تعالےٰ نے آپ کو نوازا تھا وہ تو لاکھوں میں کیا کروڑوں میں کسی نصیب والے کے حصے میں آسکتا تھا۔

اور دوسری مرتبہ مدِ مقابل شخصیت حکمران پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما اور صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ جناب نصر اللہ خان خٹک صاحب تھے۔ یادش بخیر!

انہوں نے اپنی ہائی کمان کو اپنی کامیابی کا مکمل یقین دلایا تھا اس لیے بھی کہ وہ خود وزیراعلیٰ تھا۔ پورے صوبے کے اختیارات اس کے دائرۂ کار میں تھے مگر شاید انہیں یہ علم نہ تھا کہ اگر وہ ظاہر طور پر حاکم تھے تو حضرت شیخ الحدیثؒ مسلمانوں کے قلوب پر حکمرانی کرنے والے تھے۔ یہی سبب تھا کہ باوجود اقتدار کے انہیں ہر جگہ ذلت و استحقار کے سوا اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔ ایک مرتبہ احقر نے یا ہمارے ساتھیوں میں سے کسی نے کسی ایک جلسۂ عام میں یہ اعلان کر دیا کہ شیخ الحدیثؒ صاحب کی اور جناب خٹک صاحب کی کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ ایک طرف محدثِ کبیر ایک بلند پایۂ عالمِ دین قرآن و سنت کے حافظ و ماہر، مسلمانوں کے زعیم و محبوب اور دوسری طرف ایک ایسا فرد جسے پوری نماز تو در کنار دعائے قنوت بھی یاد نہیں۔

یہ بات جب ان تک پہنچی تو کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ دعائے قنوت یاد ہے کہ نہیں اور اگر یاد نہیں تو یاد کر لیں اور علاقہ کے کسی بڑے جلسہ عام میں سنا دو تاکہ یہ تاثر ختم ہو جائے کہ ان کو نماز تک نہیں آتی۔ شیخ الحدیثؒ کی کرامت دیکھیں کہ بہی کے قریب ایک گاؤں میں انہوں نے اپنے ایک بڑے جلسۂ عام میں کہا کہ مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ مجھے دعائے قنوت یاد نہیں۔ بھلا ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو نماز یا دعائے قنوت یاد نہ ہو۔ لو میں آپ کو سنا ہی دیتا ہوں اور جب شروع کی تو بیچ میں بھول گئے۔ لوگوں نے اسے مزید شرمندہ کرنے کے لیے تالیوں سے ان کا استقبال کیا۔

اور جب جناب خٹک صاحب بری طرح شکست کھا گئے تو شنید یہ ہے کہ ایک مجلس میں سابق وزیراعظم جناب بھٹو صاحب نے

۔خٹک صاحب! آپ ایک ٹوپی سے شکست کھا گئے تو خٹک صاحب نے جواب دیا کہ وہ مولوی نہیں وہ تو ہمارے علاقے کا پیغمبر ہے اور اگر آپ کو شک ہے تو آپ اس حلقہ سے مقابلہ کر کے دیکھ لیں!

آپ نے ایوانِ اقتدار میں اسلام کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں جو کہ آنے والے اصحاب کے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ اس سلسلے میں "قومی اسمبلی میں اسلام کے معرکہ"، کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب حضرت شیخ الحدیثؒ کی تحاریک پر جو کہ پارلیمنٹ سکریٹریٹ کے ریکارڈ سے مرتب کی گئی ہے دیکھی جاسکتی ہے۔

اسلام کے نفاذ کے لیے جو کام بھی آئندہ ہو گا اس کے لیے آپ کے خطابات آپ کا فراہم کردہ مواد آپ کی تحاریک، شریعت بل اور آپ کی جدّوجہد اور مساعی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جس پر اسلام کی نفاذ کی عمارت تعمیر کی گئی تو یقیناً یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ میں محسوب کیا جائے گا۔

احقر نے بہت سے علماء کرام کی زیارت کی ہے اور بہت سے اصحابِ علم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا انداز، جیسے گلستان میں پھولوں کا انداز اور حسن، پھول تو سب ہیں مگر رنگ و بُو اور حسن میں بعض ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی ذات گرامی بالکل سب سے مختلف اور ممتاز تھے۔ آپ کو رب العزت نے جن اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا اس پر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ جیسے فرد کئی صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا بہت بڑا فضل و احسان فرمایا تھا۔ یہی سبب تھا کہ چھوٹا ہو یا بڑا، بوڑھا ہو یا جوان سب آپ کے ایسے گرویدہ اور جاں نثار تھے جیسے پتنگہ شمع پر جان نثار کرنے کے لیے ہر وقت بے تاب رہتا ہے۔

ایک مرتبہ ہسپتال میں مجھ سے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے دین اور اسلام کی وجہ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے متعلقین میں جو بھی آپ کی عیادت اور بیمار پرسی کے لیے آپ کے پاس آتا تو اتنی محبت اور اخلاص کا اظہار کرتا کہ اس کے چہرے کے آثار سے یوں محسوس ہوتا کہ بزبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ کاش! شیخ الحدیثؒ صحت یاب ہو جائیں اور آپ کی بیماری مجھے لگ جائے۔ نلجی کنڈر خیل کے مشہور عالم دین جناب مولانا محمد جان صاحبؒ نے کئی بار میرے سامنے مجالس میں یہ فرمایا کہ کاش میری عمر بھی شیخ الحدیثؒ کو لگ جائے۔ میری عمر سے دین کو کیا فائدہ؟ اور شیخ الحدیثؒ کی حیات سے گلستان نبویؐ سرسبز و شاداب رہے گا۔ اب تو میاں صاحب کی وفات کو کئی سال بیت چکے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند ہمارے جامعہ اشرفیہ میں تشریف لائے تھے۔ رات کے کھانے پر شیخ الحدیثؒ بھی تشریف فرما تھے۔ دیگر بہت سے اکابر علماء کرام اور شہر کی مساجد کے خطباء وائمہ کرام موجود تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی کھانے کی پلیٹ رکھ کر شیخ الحدیثؒ کی پلیٹ حضرت کے ہاتھ سے کھینچ لی۔ شیخ الحدیث صاحبؒ نے بہت انکار کیا مگر حضرت قاری صاحبؒ مُصر تھے کہ آپ کا بچا ہوا کھانا میں تبرکاً کھاؤں گا۔ یہ منظر قابلِ دید نی تھا جبکہ اللہ کے دو ولی ایک دوسرے کا احترام اور ادب سے اپنی تواضع و انکساری کا اظہار فرما رہے تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی عظیم شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کے سربراہ ہونے کی وجہ سے آپ کا جو احترام طبقہ علماء میں تھا وہ کسی سے مخفی نہیں مگر شیخ الحدیثؒ کی علمی دینی و روحانی اعلیٰ خدمات کا اعتراف حضرت قاری صاحبؒ نے اس انداز سے فرمایا۔ شیخ الحدیث صاحبؒ ہمارے دارالعلوم جامعہ اشرفیہ سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جامعہ کا

محل وقوع مجھے بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت اچھا موقع خدمتِ دین کا عطا فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت سے عاجزانہ دعا ہے کہ جامعہ اشرفیہ اور ہم فقراء اور سالکین کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کو قبول فرمائے۔

والد ماجد حضرت مولانا عبدالودود قریشی رح بانی جامعہ اشرفیہ شیخ الحدیث کو بابائے مدارس فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جامعہ اشرفیہ کا سالانہ جلسہ دستار بندی تھا جس میں دیگر علماء کرام کے علاوہ حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رح بھی مدعو تھے۔ اس موقع پر حضرت والد صاحب نے شیخ الحدیث صاحب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا "بابائے مدارس مولانا عبدالحق صاحب" چونکہ مدارس دینیہ میں دارالعلوم حقانیہ کا نظم و ضبط مثالی تھا۔ لہٰذا اس کے اعتراف میں آپ کو یہ خطاب دیا گیا۔ جامعہ اشرفیہ کے ساتھ آپ کا تعلق زندگی بھر قائم رہا۔ یکم مئی ۸۸ء کو رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ میں برخوردار حافظ ارشد علی کے ختم قرآن کے سلسلے میں حضرت تشریف لائے۔ برخوردار ارشد علی سلمہ نے شیخ الحدیث رح کی سرپرستی میں ختم قرآن دارالعلوم حقانیہ میں کیا اور امسال جامعہ اشرفیہ کی مسجد میں تراویح میں قرآن پاک سنایا۔ آپ برخوردار کا تراویح میں قرآن پاک سنانے پر بڑے خوش تھے اور جب بھی ملاقات ہوتی تو حضرت اس پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے اور اس حقیر سیاہ کار کو مبارکباد پیش کرتے۔ آپ کی مبارکباد کے مواقع پر احقر کی ڈھارس بندھ جاتی سوچتا کہ چلو خود تو گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ کوئی عمل بھی بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کے قابل نہیں، برخوردار کا حافظ کلامِ الٰہی ہونے کو ہی وسیلہ بنا کر پیش ہونے کی جرأت کروں گا۔

اس نورانی موقع پر جامعہ اشرفیہ کی مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے برخوردار ارشد علی اور حافظ احتشام کی دستار بندی اپنے دستِ مبارک سے فرمائی۔ اس موقع پر ایک مؤثر اور جامع فضیلت قرآن پر خطاب فرمایا آپ نے فرمایا کہ برخورداران کا نماز تراویح میں قرآن پاک سنانا ایک بہت بڑی سعادت کی بات ہے اور خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ یہ بات میرے لیے بہت ہی قابل فخر ہے کہ میرے ہی خاندان میں یہ بچے قرآن پاک کے حافظ ہو گئے۔ شیخ الحدیث صاحب کی کیفیت اس وقت کچھ اس قسم کی تھی کہ کس کو مبارک باد پیش کروں۔

قرآن پاک اور حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو عشق تھا اور آپ عمر بھر اس کی نشر و اشاعت میں کوشاں رہے۔ اس گلستان سے جو طالبِ علم بھی کامیاب ہو کر نکلتا تو آپ اس پر بڑی خوشی کا اظہار فرماتے کیونکہ آپ کی محنت کا ثمر آپ کے سامنے آ جاتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی آخری آرام گاہ کے لیے بھی ایسی جگہ منتخب فرمائی جہاں پر رات دن قرآن کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ آپ کا مرقد دارالحفظ کے ساتھ ہی واقع ہے۔ جو طالب علم بھی قرآن پڑھتے ہیں اس کی آواز سے آپ ملذوذ ہوتے رہیں گے۔ ایک جانب سے قرآن پاک کی تلاوت اور دوسری طرف سے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری اور روح پرور صدائیں یقیناً آپ کی روح کی تسکین کا سبب بنیں گی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

احقر کا تعلق جب سے آپ سے قائم ہوا آپ کی زبان سے ناشکری کے کلمات نہیں سنے۔ ہر حالت میں آپ کو شکر گزار پایا۔ کئی مرتبہ مختلف ہسپتالوں میں آپ زیر علاج رہے۔ سخت بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی "الحمد للہ، ماشاء اللہ" شکر کے کلمات ادا کرتے۔ آپ ایک مرتبہ سول ہسپتال کراچی میں زیر علاج تھے۔ احقر کو مکۃ المکرمہ میں آپ کی بیماری کی اطلاع ملی۔ واپسی پر ہسپتال حاضر ہوا۔ آپ نے سخت تکلیف کے عالم میں فرمایا۔ دعا

فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ شفایاب فرمائے۔ الحمدللہ اب تو پہلے سے افاقہ ہے۔

راولپنڈی کی سی ایم ایچ، اسلام آباد کی پولی کلینک، پشاور کے مختلف ہسپتالوں میں کئی بار آپ داخل کیے گئے مگر جب بھی آپ کی بیمار پرسی کے لیے کوئی حاضر ہوتا تو آپ نے شکر کے سوا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ اس مرتبہ آپ خیبر ہسپتال میں جس روز داخل کیے گئے اسی روز احقر کو علم ہوا تو فوراً حاضر ہوا۔ آپ اس وقت چارپائی پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں نے دست بوسی کے بعد پوچھا، جی طبیعت اب کیسی ہے؟ تو جواب میں فرمایا۔ الحمدللہ ٹھیک ہوں — ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ فرمایا نظر بہت کمزور ہوگئی ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ میں نے کہا انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی تو فوراً جواب میں ماشاء اللہ کہہ کر خاموش ہوگئے۔ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احقر کو ہسپتال میں آپ کی بیماری کے دوران ہر وقت خدمت کا موقع عطا فرمایا، فللہ الحمد"

احقر جب بھی ہسپتال آپ کی خدمت اور بیمار پرسی کے لیے آتا تو آپ میرے لیے بہت دعا فرماتے۔ کبھی آپ سے بغیر پوچھے میں گھر کی طرف نکل جاتا تو پھر آپ استفسار فرماتے اور پھر آنے پر خدام کہتے کہ شیخ الحدیث آپ کا بار بار پوچھ رہے تھے۔ لہٰذا آپ اجازت لے کر ہی جایا کریں۔

ایک روز اچانک عصر کے وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا تو ہسپتال سے آپ کے خدام میں سے عبدالرحمن صاحب یا (شاہ جی؟) میں ہسپتال سے بول رہا ہوں۔ فرمائیے کیسے یاد کیا؟ جی شیخ الحدیث صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں اور بار بار پوچھ رہے ہیں کہ وہ کس وقت آئیں گے۔ اتفاق سے اس دن کچھ کام ایسے آڑے آگئے تھے کہ میرا خیال تھا کہ مغرب کے بعد ہسپتال جاؤں گا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا تو برادرم جناب پروفیسر محمود الحق حقانی صاحب بول رہے تھے۔

کیا بات ہے، کیسے یاد کیا؟" میں نے پوچھا۔

انہوں نے تندہی سے کہا" میں گھر سے بول رہا ہوں۔ بڑی دیر سے والد صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں اور بار بار آپ کا استفسار کرتے ہیں وہ کس وقت آئیں گے۔"

میں نے یہ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا کہ ابھی حاضر ہوا۔ جلدی سے جب ہسپتال پہنچا تو آپ چارپائی پر لیٹے تھے۔ میں نے دست بوسی کے بعد کہا جی اشرف علی ہوں۔ بہت دیر تک میرا ہاتھ پکڑے رکھا اور پھر فرمایا کہ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں ان باتوں کو آپ کی شفقت، محبت کو اپنے لیے بہت ہی قابل فخر اور باعث سعادت سمجھتا ہوں اور ساتھ ہی رب العزت کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس حقیر گنہگار، سیاہ کار، خطاکار انسان کو شیخ الحدیث کی خدمت کا شرف عطا فرمایا۔

ہسپتال کے ایام میں آپ مجھ سے ایسے مانوس ہوگئے تھے کہ کبھی احقر کہتا کہ جی اگر اجازت ہو تو میں گھر چلا جاؤں تو فرماتے ابھی تو وقت بہت ہے۔ بیٹھو تھوڑی دیر کے بعد چلے جانا۔ میں عرض کرتا کہ جی فلاں فلاں بھی موجود ہیں۔ فرماتے چلو اگر وہ جانا چاہیں تو چلے جائیں۔

وفات سے ایک روز پہلے احقر نے پوچھا۔ جی طبیعت کیسی ہے؟

فرمایا۔ الحمدللہ شکر ہے اور ساتھ ہی فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ آپ کو کسی نے بتایا ہے، پتہ ہے؟

'نہیں'، میں نے جواب دیا۔

فرمانے لگے۔ بڑا مہیب خواب تھا۔

میں نے عرض کیا کہ جی کیا تھا؟

فرمایا "میں سویا ہوا تھا کہ کسی نے کہا کہ یہ وفات پا گئے ہیں۔ کل ان کا جنازہ ہے۔" کسے معلوم تھا کہ جو فرما رہے ہیں وہ گفتہ او گفتہ اللہ بود کے مصداق بالکل درست فرما رہے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ تعلق رکھنے والے اصحاب کو پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ مطلع فرما دیتے ہیں جو مومنین راسخین کی شان و لیسے بھی آنحضرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز میں متعارف کرائی ہے

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ

اللہ جل جلالہٗ کے نور سے دیکھتے ہیں ۔ اصحاب بر و تقویٰ میں دو قسم کے اصحاب ایسے ہوتے ہیں ۔ ایک تو وہ جو کہ صوم وصلوٰۃ و دیگر فرائض کی پابندی کرتے ہیں ۔ حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں ۔ ایسے اصحاب کو متقین کے پیارے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور دوسری قسم کے وہ اصحاب ہوتے ہیں جو کہ صوم وصلوٰۃ و دیگر فرائض اسلام کی پابندی کے ساتھ ساتھ اللہ جل جلالہٗ کے دین کے سپاہی و چوکیدار ہوتے ہیں ۔ ان کی جستجو ہر وقت یہ رہتی ہے کہ اسلام کی اس عظیم الشان عمارت کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اور اس عمارت پر کوئی ڈاکہ نہ ڈالے اور اگر جب بھی کوئی اسلام دشمن اس کے خلاف کوئی حرکت کرتا ہے تو پھر یہ راحت و اطمینان آرام ، رات و دن ، وسائل کے فقدان کے باوجود دشمن پر لپکتے ہیں اور اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے ہیں ۔ ایسے اصحاب کو محسنین کہا جاتا ہے ۔ ایسے خوش قسمت اصحاب کے بارے میں رب العزت اپنے فرامین مبارک میں فرماتے ہیں :

إِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

بے شک اللہ تعالےٰ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں فرمائیں گے ۔

بلاریب ان سے مراد اصحاب علم و فضل طبقہ علماء ، مدارس دینیہ کے طلباء و علماء وغیرہ اس گروہ کی قیادت و رہبری کا شرف رب العزت نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو بخشا تھا ۔ یہی سبب تھا کہ آپ کو "قائد شریعت" کے پیارے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے ۔ ایسے ہی علماء کے لیے ارشاد ہے :

میری امت کے علماء کرام
بنی اسرائیل کے انبیاء کی
طرح ہیں ۔

قحط الرجال کے اس دور میں کہاں سے ایسے رجال کار پیدا کریں گے جن کی نظر صرف ذات خدائے بزرگ و برتر پر تھی ، جن کا ہر ایک کام اخلاص وللہیت سے مزین و آراستہ تھا جو کہ نام و نمود سے کوسوں دور تھے ، جن میں ریاکاری اور دکھلاوے نام کا کوئی عنصر موجود نہ تھا ۔ جو کام کرتے صرف اسی کی رضاجوئی کے لیے ۔ اتنا بڑا خلا کیسے پُر ہو گا ۔ نعم البدل تو کیا بدل بھی پیدا ہونا مشکل ۔

گمراہی وضلالت کے ان اتھاہ اندھیروں میں کہاں سے ایسے مردانِ حق پیدا کریں گے جن کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا نقشہ سامنے آجائے جو کہ اپنے ہر ایک عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی میں کوشاں رہتے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کی علامات میں قبض علماً علماء کا اٹھ جانا بتلایا ہے کیونکہ عالِم کی موت تو عالَم کی موت ہوتی ہے ۔ روحانی تنزل اور انحطاط کے اس زمانے میں جبکہ ہر طرف ظاہرداری ، نام و نمود ، تصنع و ریاکاری نے عوام تو کیا خواص کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے کیا ایسی نورانی مشعلوں کو پا سکیں گے ؟

۔ مضت الدھور وما اتین بمثلہٖ
ولقد اتی فعجزن عن نظرائہٖ

وفات سے ایک دن قبل احقر حسب معمول ہسپتال حاضر ہوا ۔ آپؒ سے باتیں کیں ۔ گھر والوں کے بارے میں پوچھا ۔ آپ نے چائے مانگی جو کہ آپ کے لیے تھرمس میں تیار پڑی تھی چائے پلائی ۔ احقر نے عرض کیا کہ چائے اگر گرم ہو تو ٹھنڈی کر دوں ۔ فرمایا ۔ نہیں ، گرم ٹھیک ہے مگر چائے کی پتی کم ہے اس میں ۔

جب ان نورانی لمحات کو یاد کرتا ہوں تو آپ کا نورانی چہرہ مبارک میرے سامنے آجاتا ہے ۔ وفات سے کچھ روز قبل آپ کے چہرۂ مبارک میں نورانیت میں پہلے سے اضافہ ہو گیا تھا ۔ رنگ تو ویسے بھی سفید سرخی مائل مگر اس وقت نورانیت سے چہرہ روشن تھا حسن میں قدرتی طور پر اضافہ ہو گیا تھا ۔

احقر نے سوچا چلو افاقہ ہے ۔

اسلام آباد میں کسی دوست کے ساتھ وعدہ تھا۔ حسب وعدہ میں علی الصباح صبح کی نماز کے بعد اسلام آباد روانہ ہوگیا۔ میں نے سوچا چلو اپنے وقت پر واپس آکر ہسپتال حاضر ہو جاؤں گا۔ سینٹ (پارلیمینٹ) کا اجلاس شروع تھا۔ میں نے کہا کہ ابھی تو وقت کافی ہے۔ اتنی دیر میں سینٹ کی کارروائی دیکھ لی جائے۔ برادرم مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہٗ بھی سینٹ کے اجلاس میں موجود تھے۔ کچھ دیر سینٹ کے اجلاس کی کارروائی دیکھی۔ اسی اثناء میں خیال آیا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے ہسپتال بھی جانا ہے۔ جلدی سے برادرم مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقات اور رخصت لیے بغیر پشاور کے لیے روانہ ہوگیا۔ جب ترنام فارم (پشاور) کے قریب پہنچا تو کار میں ریڈیو کی خبریں لگی ہوئی تھیں۔ اچانک یہ خبر نشر کی گئی کہ ممتاز عالم دین اور دانشور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ۸۰ سال کی عمر میں آج خیبر ہسپتال پشاور میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

پھر کیا حالت تھی؟ ......

شیخ الحدیث کی حیات میں احقر نے روس میں مسلم تنظیموں کی طرف سے دعوت ملنے پر قبول کرلی تھی۔ بعد میں اطلاع ملی کہ تاشقند، بخارا، سمرقند، خرتنگ کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لیے پروگراموں کو آخری شکل دے دی ہے۔ اب حاضری کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ چنانچہ ۱۲ ستمبر ۱۹۸۸ء کو رات کی پرواز سے روس کے لیے روانہ ہوئے۔ مراکز اسلام تاشقند، بخارا، سمرقند، خرتنگ جگہ جگہ مسلمانوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور تبادلۂ خیال ہوا اور ان کے حالات سے آگاہی ہوئی۔

سمرقند میں صحابیٔ رسولؐ حضرت قثمؓ بن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی ہیں کی قبر مبارک پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ صحابی رسول ۵۴ھ کو تبلیغ اسلام کے لیے سمرقند تشریف لائے تھے۔ ان کے درود سے ہی سمرقند میں اسلام کی شمع فروزاں ہوئی۔ ۱۳ سال کی مدت انہوں نے سمرقند میں تبلیغ اسلام کے لیے بسر کی اور ۵۳ھ میں وفات پائی۔ مقبرہ کا نام ہے زندہ زمانہ۔ اس مقبرے میں آپ کے علاوہ امیر تیمور لنگ کی بہنیں اور اہل خاندان دفن ہیں۔

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کے لیے بڑی فاتحہ خوانی کی مجلس حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک پر ہوئی آپ کا مرقد سمرقند سے تقریباً ۲۰-۲۲ میل کے فاصلے پر موضع خرتنگ میں واقع ہے۔ حضرت امام بخاریؒ بخارا سے ہجرت کرکے سمرقند تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں اپنے کچھ رشتہ داروں کے ہاں قیام فرمایا۔ چند روز کے بعد آپ نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! تیری زمین میرے اوپر تنگ ہوگئی ہے۔ اب تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔ چنانچہ مہینہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ شب عید الفطر ۲۵۶ھ کو انتقال فرما گئے اور عید کے روز نماز عصر کے بعد اس مقام پر دفن کیے گئے۔ آپ کی ولادت ۱۹۰ھ ۱۲-۱۳ شوال المکرم کو بخارا میں ہوئی۔ یہ آفتاب صرف ۶۲ سال تک زمین کو اپنے نور سے منور کرکے آخر کار غروب ہوگیا۔ آپ کے مرقد مبارک پر ۱۹ ستمبر ۸۸ء کو مسجد امام بخاری کے امام و خطیب جناب مولانا محمد عثمان صاحب نے ظہرانہ کا پروگرام ترتیب دیا تھا جس میں سمرقند بخارا کے علماء بھی مدعو تھے۔ ہم حسب پروگرام خرتنگ پہنچے۔ سب سے پہلے حضرت امام بخاریؒ کے مرقد مبارک پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوئے۔ اس وقت دل کی کیفیت تھی؟ اس پُرانوار مرقد کے کیا اثرات تھے؟ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کہ امام بخاریؒ اپنی قبر مبارک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا درس دے رہے ہیں اور ہم سامعین صف میں بیٹھے ہوئے سماعت کر رہے ہیں۔ قبر کیا بقعۂ نور تھی۔ اتنی پُرکشش پُررعب اور نورانی کہ اس کی زیارت کرنے والا کوئی بھی فرد اس کی لذت کو اپنی زندگی میں فراموش نہیں کر سکتا۔ آپؒ کے مرقد مبارک کے

کے قریب ایک دیوار پر سنگ مرمر کا ایک بڑا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس پر مختصر طور پر آپ کے حالاتِ زندگی اور بخارا سے آپ کی سفر کی روداد اور ولادت و وفات کے بارے میں لکھا ہوا ہے۔ اس کتبہ کو جو پڑھتا ہے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔

امام بخاریؒ زندہ تھے تو گلستانِ نبوی اور احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں محو و منہمک رہتے اور دنیا سے جب پردہ کیا تو بارہ ایکڑ رقبہ پر محیط ایک خوبصورت اور بڑے باغ میں آپ آرام فرما رہے ہیں۔ یہ اس خطہ کا ایک حسین منظر ہے۔ مرقد کے ساتھ ہی مسجد امام بخاریؒ ہے۔ اس میں علاقہ کے مسلمان نمازِ ظہر کے لیے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ مسجد میں نماز ظہر کے لیے داخل ہوئے رکعتین تحیۃ المسجد ادا کی اور بارگاہِ رب العزت میں شکریہ ادا کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔

مسجد امام بخاریؒ نمازِ ظہر کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے لیے فاتحہ خوانی ہوئی۔ مسجد کے خطیب مولانا محمد عثمان صاحب نے مولانا عبدالحق کے لیے فاتحہ خوانی کرائی۔ انھوں نے مختصر مرحوم کا تعارف کراتے ہوئے آپ کی اعلیٰ دینی و علمی خدمات کا ذکر کیا۔ مرقد امام بخاریؒ پر سمرقند کے خطیب شیخ مصطفیٰ نے مولانا عبدالحق صاحبؒ کے لیے فاتحہ خوانی کرائی۔

شیخ الحدیثؒ کا تعلق ساری عمر حضرت امام بخاریؒ سے رہا۔ آپ نے اپنی ساری عمر بخاری شریف کے درس و تدریس میں گذاری۔ آپ صحیح معنوں میں حضرت امامؒ کے روحانی فرزند تھے۔ یقیناً آپ کے لیے فاتحہ خوانی کی دعائے رسمِ امین میں امام بخاریؒ نے بھی شرکت فرمائی ہوگی کیونکہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ان کے ہی قابلِ فخر روحانی شاگرد تھے۔

شیخ الحدیثؒ جب بھی امام بخاریؒ کا نام مبارک لیتے تو آپ کی نظریں احترام سے جھک جاتیں تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کا اُن سے کتنا گہرا ادب و احترام کا تعلق تھا۔ ایک محدثِ کبیر کے مرقد پر اس کے روحانی فرزند محدث کے لیے فاتحہ خوانی یقیناً ان کے لیے باعثِ سکون و مسرت ہوگی۔ ہماری رخصتی سے پہلے ہماری تواضع خطیب شیخ عثمان زید مجدہٗ نے امام بخاریؒ کے باغ کے انگور، سیب ناشپاتی آڑو اور دیگر میوہ جات سے کی۔ امام بخاریؒ کی نسبت کے حوالے سے یہ میوہ جات ہمارے لیے باعثِ تبرک و احترام کا درجہ رکھتے تھے۔ رخصتی پر اہلیانِ خرتنگ نے (راقم احقر اشرف علی قریشی اور برادرم مولانا محمد یوسف قریشی صاحب) کو ایک ایک چغہ تحفے میں دیا۔ ہم نے یہ ہدیہ امام بخاریؒ کی نسبت کے حوالے سے بڑی سعادت سمجھ کر بصد ادب و احترام قبول کیا۔

تاشقند میں کچھ فرصت پاکر احقر نے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ پر چند کلمات لکھنے کا ارادہ کیا مگر کاغذ و پین ندارد۔ ایک پین تھا سیاہی والا جس میں سیاہی ہی ندارد۔ روس کے مسلمانوں کی طرف سے کچھ تحائف پیش کیے گئے جو کہ پوسٹر سائز کے موٹے اور بڑے کاغذ میں لپٹے ہوئے تھے تو سوچا کہ چلو کاغذ کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ اب پین کی جستجو میں اپنے ایک میزبان عبدالفتاح سے ڈرتے اور شرماتے ہوئے جسارت کر ہی دی۔ جواباً انہوں نے اپنی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دورے کے تاثرات رقم کرنے کے لیے ایک ڈائری بھی عنایت فرمائی اس وقت تشکر کے کلمات سے ان کی مہربانی کا شکریہ ادا کر دیا جبکہ یہ سطور اور اپنے دورے کے مشاہدات و تاثرات مکمل کرتے ہوئے پھر بھی ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جس دن حضرت شیخ الحدیثؒ پر یہ سطور لکھنا شروع کیے مسلسل ہر رات حضرت شیخ الحدیثؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوتی رہی۔ شرف بازیابی تاشقند، بخارا، سمرقند قریباً سب ہی جگہ آپ کی زیارت سے فیض یاب ہوا۔